اقبال اور پشتون، بلوچ قبائل کے اقدار

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

مدیر۔پیغام آشنا، اسلام آباد۔

خلاصہ :

اقبال بڑے آدمی ہیں اس لئے بھی ہر مکتبہ فکر سند تصدیق حاصل کرنے کیلئے ان کی جانب رجوع کرتی ہے اور جب اسے اپنے تراشے ہوئے بت پر کہیں اقبال کے تیشے کی اصلاحی ضرب محسوس ہوتی ہے تو چیخ اٹھتا ہے کہ یہ صاحب تخریب کار ہیں۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کان گہر سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ اس کی منشاء کے مطابق ملتا بھی ضرور ہے۔اقبال کسی کو خالی نہیں لوٹاتے۔

مجھے اقبال کی شاعری میں افغان اور بلوچ سے ان کے مکالمے کو اس تناظر میں دیکھنا ہے کہ اقبال بلوچ اور افغان کو کہاں دیکھتے تھے اور کہاں دیکھنا چاہتے ہیں جبکہ آج کے افغان اور بلوچ اقبال کو کہاں تک دیکھ سکے ہیں، جان سکے ہیں اور ان کے کلام کو سمجھ سکے ہیں۔

اقبال اس حوالے سے افغان کو افغانیت اور بلوچ کو بلوچیت سے مملو دیکھنا چاہتے ہیں۔یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً بے جا ہوگا کہ وہ انہیں اس خول میں محدود کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ گلشن میں ہر قسم کا پھول اپنے ہی رنگ میں کھلے لیکن یہ ہرگز نہ ہو کہ ان کی خوشبوئیں محدود ہوں یا ان کی آبیاری کے پانی اور مٹی کو جدا جدا رکھا جائے۔یعنی تمام کثرتوں کے باوجود وحدت قائم ہو جب بھی قبائل کے منفی حوالے سے استفادے کو دیکھتے ہیں تو فوراً انگشت اعتراض اٹھاتے ہیں۔

اقبال خصوصاً عالم مشرق کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کیلئے عظمتوں اور بلندیوں کی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں وہ کبھی انہیں ان کے اسلاف کے حوالے سے غیرت دلاتے ہیں کبھی یورپ کی صنعت گری کے طعنے دے کر جگانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی انہیں روشن مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔عرب، عجم سب اس کے نوردیدہ ہیں۔

کلیدی الفاظ : مشرق ، عجم ، بلوچ ، پشتون ، غیرت

Many schools of thought make reference to Iqbal to gain a stamp of authenticity, but often end up denouncing him as a rogue when Iqbal's reformist tendency cuts against their own creative handiwork. All stand to gain from Iqbal though, and none are turned empty handed from his treasure trove .

One's objective is to situate the dialogue occurring between the Pashtoon and Baloch within the context of Iqbal's perception of them, and where instead he would like them to be. Just as well, it is pertinent to know how well the Baloch and Pashtoon understand Iqbal .

Iqbal would like to see the Pashtoon and Baloch in their consummate identities, but not confined by them. In other words he would like to see each flower blossom in its own colour, but not to arrest its fragrance in the garden, nor the elements that nourish it to be separated; that unity sustains despite all diversity. Iqbal never fails to point out the negative connotations wrongly associated with tribal culture .

Iqbal views the East with particular appreciation, expressing a desire to see its glory. In places, he invokes the founders of this civlization, or points to industry of Europe to bring about certitude and self respect among those whose bright future he foretells. The arab and the ajam both illuminate his vision .

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ فکر جتنی بلند ہوگی ، اتنی ہی اس کی تاویلات و تشریحات میں اختلاف ہوگا اور شخصیت جتنی بڑی ہوگی اس کے تفکرات کی وسعت اور تنوع کے باعث تضادات پائے جائیںگے جبکہ یہ اختلاف و تضاد اس فکر یا شخصیت کی کمزوری کے باعث نہیں بلکہ سمجھنے اور پرکھنے والے اذہان کی اپنی مشکلات ہونگی جو

پہلے سے طے شدہ کسی نظریے کے تابع ہونگے اور جب بھی وہ اس بحر بیکراں میں اتریں گے تو وہاں اپنی پسند کا جنس تلاش کرنے لگیں گے جس وقت ان کے ناپسندیدہ (اگرچہ وہ اپنی جگہ درست بھی ہوں) اجناس ہاتھ لگیں تو واویلا کھڑا کر دینگے اور یوں ایک فلسفہ ، نظریہ اور شخص کو متضاد آراء میں تقسیم کردیا جاتاہے ،جس کی وجہ سے وہ جس قدر کم فہمیوں اور وسعت فکری سے محروم اذہان میں گھرے گا اتنا ہی اعتراضات کی لپیٹ میں آئے گا یعنی جب جوہری کی دکان پر آٹا مانگنے والوں کا ہجوم ہوگا ناراضگیاں ، مایوسیاں اور شکایتیں تو پیدا ہونگی۔

اسی طرح کی مشکلات کا سامنا علامہ اقبالؒ کو بھی ہے ۔ کہاجاتاہے کہ ان کے کلام اور تفکرات میں تضاد ہے حالانکہ یہ ہماری اپنی فکری تضاد ہے جس کا عکس ہمیں وہاں نظر آرہاہے ،اسی طرح کی بہت بڑی مثال ہماری الہامی کتاب قرآن کریم ہے ، جس کے مخالفین اسے تضادات کا مجموعہ سمجھتے ہیں ، اگرچہ قرآن میں وحدت ہے ۔دوسری بہت سی فکری اور علمی کتابیں بھی ہیں جن میں آپ کو بظاہر یہی نکتہ نظر آئے گا جس کی ایک مثال گلستان سعدی ہے جو ایک حکایت میں درگذر کی تلقین کرتاہے اور کسی دوسری حکایت میں بدلہ لینے کی ہدایت کرتاہے۔اگر گلستان کو گلستان کے تقاضوں کے مطابق سمجھا جائے تو اس مسئلے کا حل بڑی آسانی سے اس میں ملے گا۔ورنہ تضادات کا پلندہ تصور ہوگا۔

اقبال چونکہ بہت بڑا آدمی ہے اس لئے بھی ہر مکتبہ فکر سند تصدیق حاصل کرنے کیلئے اس جانب رجوع کرتی ہے۔اور جب اسے اپنے تراشے ہوئے بت پر کہیں اقبال کے تیشے کی اصلاحی ضرب محسوس ہوتی ہے تو وہ چیخ اٹھتا ہے کہ بھئی یہ صاحب تخریب کار ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کان گہر سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ اس کی منشاء کے مطابق ملا بھی ضرور ہے۔اقبال کسی کو خالی نہیں لوٹاتے۔

یہاں مجھے اقبال کی شاعری میں افغان اور بلوچ سے ان کے مکالمے کو اس تناظر میں دیکھنا ہے کہ اقبال بلوچ اور افغان قبایل کو کہاں دیکھتے تھے اور کہاں دیکھنا چاہتے ہیں جبکہ آج کے افغان اور بلوچ اقبال کو کہاں تک دیکھ سکے ہیں جان سکے ہیں اور ان کے مکالمے کو سمجھ سکے ہیں۔کیوں کہ ہمارے ملک اور اقوام دشمن سرمایادارانہ اور سردارانہ نظام نے ہمیشہ اقبال کو اپنے لئے خطرے کا باعث سمجھا ہے اور یہ کچھ غلط بھی نہیں ہے۔

بہر حال اقبال مجموعی طور پر انسان کو انسان ہی دیکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کے نزد برتر از گردون مقام آدم است۔لہٰذا جب اس انسان کو خاکدان کا گرویدہ پاتے ہیں تو سراپا احتجاج ہوجاتے ہیں لیکن یہ اعلیٰ ظرف مفکر ،اسی انسان کو اگر کسی بڑے مقام پر پاتے ہیں تو تب اس کی تعریف بلا کسی بخل کے کر اٹھتے ہیں۔اور جب کہیں اس میں عیب پاتے ہیں تو فورا کاری ضرب دے بیٹھے ہیں یہی تو وہ قلندرانہ خو ہے جس نے اقبال کو ایک آفاقی مقام بخشا ہے۔

اقبال عالم مشرق کو خصوصا بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،ان کیلئے عظمتوں اور بلندیوں کی خواہشات کا اظہار کرتے ہیں وہ کبھی انہیں ان کے اسلاف کے حوالے سے غیرت دلاتے ہیں کبھی یورپ کی صنعت گری کے طعنے دے کر جگانے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی انہیں روشن آئندہ کی نوید سناتے ہیں، عرب عجم، سب اس کا نور دیدہ ہیں۔کہیں کہیں تو وہ پیش گوئی بھی کر بیٹھے ہیں اور وہ درست ثابت بھی ہوجاتی ہے جیسا کہ ایران کے حوالے سے فرمایا تھا کہ

تہران ہو گر عالم کا مشرق کا جینوا
شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے(۱)

یا ہے کہ

می رسد مردی کہ زنجیر غلامان بشکند
دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما(۲)

اور وہ مرد، آپ سب جانتے ہیں کہ کون ہے اور کس طرح غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔

اقبال یہی نظر اور جذبہ افغان اور بلوچ کیلئے بھی رکھتے ہیں بڈھے بلوچ کی نصیحت پر ذرا ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں اور بلوچ کو اس محدود خول سے ذرا باہر کرکے دیکھیں جس میں اسے خود غرض سیاستدان رکھنا چاہتا ہے تو واقعی آپ کو نقشہ ہی بدلا ہوا ملے گا نظم کے آغاز سے ہی دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اقبال بھی وہی بات کر کر رہے ہیں جو آج کا قوم پرست سیاست دان کرتا ہے یعنی اپنی سرزمین اور اپنی مٹی سے تعلق۔وہ کہتے ہیں

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل

وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا(۳)

لیکن آگے جاکر ہمارے سیاستدان اور اقبال کے درمیان اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اقبال اس مٹی کے ساتھ وفا کی تلقین کرتے ہیں' وہ درویشی میں حمیت حب الوطنی کے ذریعے شاہی تاج اس صحرائی بلوچ کے سر پر دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے' مخلص ہو کر اس زمین کے پتھروں کو لعلوں میں بدلنے کی تلقین کرتے ہیں اور خراب کرنے سے روکتے ہیں' ملاحظہ ہو

غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں

پہناتی ہے درویش کو تاجِ سر دارا

اور رہبریت کے انتخاب کیلئے بھی معیار کا تعین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر

کہتے ہیں کہ شیشے کو بنا سکتے ہیں خارا(۴)

اور آگے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اے دربدر ٹھوکریں کھانے والے سرداری نظام کے اسیر بلوچ تو خود بھی ایک روشن ستارہ ہے

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ(۵)

یہی بات وہ افغانیوں سے بھی کہتے ہیں کہ کچھ اپنی تقدیر بدلنے کی فکر کرو۔دنیا کہاں ہے اور تم کہاں

رومی بدلے' شامی بدلے' بدلا ہندوستان

تو بھی اے فرزند کہستان! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان ......او غافل افغان(۶)

جب انہی غافل افغانوں میں کسی بیدار اور چوکنے افغان کو دیکھتے ہیں تو ان کی روح کھل اٹھتی ہے اوربلا کسی جھجک کے اس کا قصیدہ کہہ بیٹھتے ہیں اور جب یوں ہوجاتاہے تو اصل نکتے تک نہ پہنچ پانے والے چیخ اٹھتے ہیں کہ اقبالؒ میں تضاد ہے۔میری مراد بیدار افغان سے ،خوشحال خان خٹک ہیں جن کے بارے میں اقبالؒ فارسی میں فرماتے ہیں کہ

خوش سرود آن شاعر افغان شناس

آنکہ بیند باز گوید بی ہراس

آن حکیم ملت افغانیان

آن طبیب علت افغانیان

راز قومی دید و بے باکانہ گفت

حرف حق با جرات رندانہ گفت

اشتری یابد اگر افغان حر

با یراق و وسازو با انبار در

ہمت دونش ازان انبار در

می شود خشنود با زنگ شتر(۷)

مندرجہ بالا بند میں ہی اقبال جہاں ایک افغان 'خوشحال کی تعریف کرتے ہیں دوسری جانب خوشحال ہی کی زبانی افغانوں کی سہل پسندی کو ہدف تنقید بناتے ہیں یعنی اقبال کا مسئلہ بھی وہی ہے جو وہ خوشحال کے بارے میں کہتے ہیں کہ''آنکہ بیند باز گوید بی ہراس'' یعنی جو دیکھتے ہیں اسے بلاتر دید کہہ آٹھتے ہیں اور یہ مصلحتوں کا شکار نہ ہونے والے شاعر تضادات کے شکار عناصر کا ہدف بن جاتے ہیں' ورنہ وہ تو برملا کہہ چکے ہیں کہ

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے سچ

نہ ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند(۸)

خوشحال کا حوالہ آیا تو یہاں ایک اور نکتہ بھی جو اقبال کی افغان دوستی پر مبنی ہے (لیکن واضح رہے کہ اقبال نے افغان کہا تو بس افغان ہی ان کا مخاطب ٹھہرا' نہیں 'یہیں اس افغان لفظ کی جگہ ہم بلوچ کو بھی رکھ سکتے ہیں چونکہ پیغام آفاقی ہے۔لہٰذا سب کیلئے ہے)اقبال قبائل اور قبائل کے افراد کے درمیان کیسی وحدت کے خواہاں ہیں اس کی جھلک ایک بار پھر خوشحال کی وصیت کے منظوم تشکیل میں ہم ان سے سنتے ہیں کہ

قبائل ہوں وحدت میں ملت کی گم

کہ ہونام افغانیوں کا بلند

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

مغل سے کسی طرح کمتر نہیں

کہستاں کا یہ بچہ ارجمند

کہوں تجھ سے اے ہمنشیں دل کی بات

وہ مدفن ہے خوشحال خان کو پسند

اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ

مغل شہسواروں کی گرد سمند(۹)

اب یہاں یہ سوال بھی اٹھایا جا سکتا ہے کہ اقبال نے تو اورنگ زیب کی تعریف بھی کی ہے تو پھر خوشحال کے لئے ان کا نظریہ مغل کے بارے میں تبدیل کیوں ہوجاتا ہے اس کا جواب بڑا آسان ہے جس کو تلاش کرنے کی زحمت نہیں کی جاتی ہے۔

اقبال نے ہر مقام پر جو بھی بات کی ہے اس کو آئندہ کے آئینے میں بھی دیکھا ہے صرف اپنے عصر کی بات پر اکتفا نہیں کی ہے یعنی وہ جب بڈھے بلوچ سے اس کے بیٹے کو نصیحت کرواتے ہیں تو ایک کلی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اسے ہر دور میں ہر حال میں عمل اور تگ و دو کی تلقین کرتے ہیں کہ

محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص

کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارا(۱۰)

اور محراب گل افغان کے افکار کے تسلسل میں وہ اس کے قبیلے کے جوان میں مومن والی کا صفت دیکھنا چاہتے ہیں جو ہر حال میں حق پر قائم رہتا ہے اس طرح اسے فولاد بھی بننا پڑتا ہے اور ابریشم میں بھی تبدیل ہونا پڑتا ہے' وہ کہتے ہیں

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر

اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز

کہ نیستاں کیلئے بس ہے ایک چنگاری

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی

کہ اس کی فقر میں ہے حیدری و کراری(۱۱)

اور کس قدر حق پر مبنی بات کہتے ہیں کہ جسے کسی بھی دور میں ایک لمحے کیلئے بھی فروگذاشت نہیں کیا جاسکتا ہے اس شعر میں سرمایہ دار' سردار و خان و ملک کی موت کا اعلان ہے اور اقبال دشمنی کی ایک وجہ ان کے یہ بے باکانہ افکار بھی ہیں' ملاحظہ ہو

نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بیکلاہی کو

یہ بے کلاہ ہے سرمایہ کلہ داری(۱۲)

یعنی تمہاری امیری اور بالادستی کا سارا انحصار تو اس محنت کش او رعام افغان اور بلوچ کے بل بوتے پر ہے حتی اس سلسلے میں اقبال ان امیروں کو دین کی راہ میں بھی خلل کا باعث جانتے ہوئے اس شیخ سے اسے مسجد سے نکلوانے کی بات کرتے ہیں جس کے بارے میں بڑی بے باکی سے کہہ چکے ہیں کہ

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے

گلیم بوذر و دلق اویس چادر زہرا(۱۳)

ہاں تو وہ شیخ سے کہتے ہیں کہ

اے شیخ' امیروں کو مسجد سے نکلوا دے

ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو(۱۴)

لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اقبال امارت کے یکسر خلاف ہیں حتی حضرت خدیجہ الکبریٰ ؑ کی دولت کو بھی رد کرتے ہوں' ایسا ہرگز نہیں ہے' اور یہیں آکر انکا معاملہ اشتراکیت سے بھی بگڑ جاتا ہے۔

اقبال' افغان اور بلوچ کی نہ صرف امیروں اور سرداروں کی چنگل سے آزادی کے درپے ہیں بلکہ وہ تو پیر حرم یعنی ملا سے بھی ان باہمت جوانوں کیلئے بر سر پیکار ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگون

معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا

ہر سینے میں اک صبح قیامت ہے نمودار

افکار جوانوں کے ہوئے زیرو زبر کیا

کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی

اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا؟
ممکن نہیں تخلیق خودی خانقہوں سے
اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا(۱۵)

ایک اور دلچسپ نکتہ کہ یہی اقبال جو ایک بلوچ کو اس کے بزرگ کے ذریعے نصیحت کروا رہے ہیں بہت جلد اس خدشے کو بھی محسوس کرتے ہیں کہ یہ بلوچ کہیں صرف بلوچ رہ کر قبائلی غرور کا شکار نہ ہو اور یہ قبیلوی عصبیت اسے لے نہ ڈوبے' بلکہ یہ کہ کوئی موقعہ پرست و جاہ طلب اس کو اس راستے سے اپنے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھا دے تو فورا اسے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں لیکن اس دین کی جانب کہ جہاں قبائل آپس میں ایک وحدت میں ہوتے ہوئے اپنی اپنی پہچان کو قائم رکھ سکتے ہیں' نہ کہ دین ملا فی سبیل اللہ فساد کی جانب وہ اس بڈھے کی نصیحت کے دوسرے حصے میں کہتے ہیں

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ
دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پا مردی مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ(۱۶)

اور آخر میں بڑے پتے کی بات کہہ جاتے ہیں یعنی ماضی سے بھی اپنی جڑیں مضبوط رکھنے ی تلقین فرماتے ہیں کہ

اخلاص عمل مانگ نیاکان کہن سے
شاہاں چہ عجب کر بنوازند گدارا(۱۷)

یعنی اقبال کے اس حوالے سے کہ وہ افغان کو افغانیت میں اور بلوچ کو بلوچیت سے مملو دیکھنا چاہتے ہیں یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعا بے جا ہوگا کہ وہ انہیں اس خول میں محدود کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ گلشن میں ہر قسم کا پھول اپنے ہی رنگ میں کھلے لیکن یہ ہرگز نہ ہو کہ ان کی خوشبوئیں محدود ہوں یا ان کی آبیاری کے پانی اور مٹی کو جدا جدا رکھا جائے یعنی تمام کثرتوں کے باوجود وحدت قائم ہو' وہ جب قبائل کے منفی حوالے سے استفادے کو دیکھتے ہیں تو فورا انگشت اعتراض اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

آنچنان قطع اخوت کردہ اند
بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمع محفل ساختند
نوع انسان را قبائل ساختند
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند
آدمیت گم شد و اقوام ماند(۱۸)

حوالہ جات:

۱۔ کلیات اقبال' اردو' (ضرب کلیم) لاہور نیشنل بک فائونڈیشن' طبع اول 1999۔ص ۶۵۹

۲۔ کلیات اشعار فارسی' مولانا اقبال لاہوری (زبور عجم) با مقدمہ: احمد سروش' تہران' انتشارات سینای چاپ ہشتم' ۱۳۸' ص ۱۵۴

۳۔ کلیات اقبال' اردو' ارمغان حجاز(بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو) ص ۱۳ا۷

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ کلیات' اردو' ضرب کلیم(محراب گل افغان کے افکار)ص ۶۸۱

۷۔ کلیات فارسی' جاوید نامہ' صص ۳۶۷۔۳۶۸

۸۔ کلیات اردو(بال جبریل) ص ۳۵۷

۹۔ ایضاً' ص ۴۸۴

۱۰۔ ایضاً' (ارمغان حجاز) ص ۱۳ا۷

۱۱۔ ایضاً' ضرب کلیم' ص ۶۸۳

۱۲۔ ایضاً' ایضاً

۱۳۔ ایضاً' بال جبریل' ص ۳۶۰

۱۴۔ ایضاً' (ضرب کلیم) ۶۸۵

۱۵۔ ایضاً‘ ایضاً‘ صص ۶۸۵۔۵۸۵

۱۶۔ ایضاً (ارمغان حجاز) ص ۱۴۷

۱۷۔ ایضاً‘ ایضاً

۱۸۔ کلیات فارسی (رموز بے خودی) ص ۷۸